منکرِ حدیث کون ہے؟

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و برِ ما نام فسق

گوئرنگ کہا کرتا تھا کہ جھوٹی بات کو بار بار دہراتے چلے جاؤ۔ سو مرتبہ دہرا دو تو وہ سچ بنکر دکھائی دینے لگے گی۔ گوئرنگ کو تو معلوم نہیں کہ اس باب میں کس قدر کامیابی ہوئی لیکن آج کل اُس کے اس حربہ کا استعمال بلا لائسنس ہو رہا ہے اور اس کا ہدف . . . طلوعِ اسلام ہے۔ طلوعِ اسلام کا مسلک اس اسلام کو نمایاں کر کے پیش کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے بوساطت نبی اکرم صلعم دنیا کو دیا۔ لیکن چونکہ اس اسلام کے اجاگر ہونے سے اس اسلام کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو عجمی ٹکسالوں میں وضع ہوا اور ملائیت کے سہارے آگے بڑھا اور آج جس کے محافظ ہمارے مولوی صاحبان ہیں۔ اس لئے مُلا نے طلوعِ اسلام کی مخالفت کو اپنے لئے جہادِ عظیم تصور کر رکھا ہے۔ ہمارا مُلا طلوعِ اسلام میں پیش کردہ دعوت کا جواب دلائل و براہین سے تو دے نہیں سکتا (اس لئے کہ وہ دعوت قرآن کی دعوت ہے اور مُلا بیچارہ قرآنی نور سے محروم ہوتا ہے) اس لئے مُلا نے اس کے خلاف گوئرنگ کا حربہ استعمال کرنا شروع کر رکھا ہے۔ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ طلوعِ اسلام منکرِ حدیث ہے اور منکرِ حدیث وہ ہوتے ہیں جنہیں نہ خدا سے کوئی واسطہ ہوتا ہے نہ رسول سے۔ وہ ایک نیا مذہب ایجاد کرنا چاہتے ہیں جس میں (معاذ اللہ) نہ رسالت کا احترام باقی رہتا ہے نہ صحابہ کی تعظیم، نہ اسلاف کی عزت کا خیال رکھا جاتا ہے نہ بزرگوں کی تکریم کا۔ یہ سب ملحد اور بے دین ہوتے ہیں جن سے مسلمانوں کو اس طرح بچنا چاہئے جیسے اجلے کپڑے پہننے والا گیلے پینٹ (Wet Paint) سے بچتا ہے کہ انسان اس کے قریب گیا اور کپڑے ہمیشہ کے لئے خراب ہو گئے اس بہتان طرازی اور گوئرنگ بازی میں جماعت اسلامی سب سے پیش پیش ہے اسلئے کہ طلوعِ اسلام کی سب سے بڑی زد انہی کے مفاد پر پڑتی ہے۔ آیئے ذرا آج کی صحبت میں یہ دیکھیں کہ جو (انوکھا اسلام) طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس کا مجرم اکیلا طلوعِ اسلام ہی ہے یا اس جرم میں اور بھی شریک ہیں اور جو دوسرے لوگ اس جرم میں شریک ہیں ان میں اور طلوعِ اسلام میں فرق کیا ہے؟ چونکہ یہ سوال بڑا اہم ہے اور مسئلہ ہے بڑا نازک اسلئے ہم گذارش کرینگے کہ آئندہ صفحات میں جو کچھ آپ کے سامنے آئے اس کے ایک ایک لفظ کو غور سے دیکھئے اور ہر قسم کی جانبداری کو چھوڑ کر از خود فیصلہ کیجئے کہ حقیقت حال کیا ہے؟

طلوعِ اسلام کا مسلک طلوعِ اسلام جس مسلک کو ایک عرصہ سے پیش کر رہا ہے وہ مختصر الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

لہٰذا صحیح اسلامی نظام یہ ہے کہ ہم (ہم سے مراد ہے ہر دور کے مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ) قرآن کریم کو اپنے نظام کا محور قرار دیں

اور اس کے اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود جزئیات متعین کریں، ان جزئیات کے تعین میں ہم ان کوششوں کو بھی سامنے رکھیں گے جو اس سے پہلے اسی نہج واسلوب پر ہوتی رہی ہیں۔ ان میں جو چیزیں ایسی ہوں گی جن میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں انھیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے گا۔ دوسروں میں مناسب تبدیلیاں کرلی جائیں گی اور نئے امور کے نئے فیصلے کئے جائیں گے اور اس ساری کوشش کی اصل وبنیاد یہ ہوگی کہ کوئی شے قرآن کریم کے اصول سے نہ ہٹے۔ یہ ہے اسلامی نظام کی صحیح روح۔ یہی رسول اللہ نے کیا تھا اسی کے مطابق اس خلافت کے دور میں عمل رہا جو علی منہاج النبوت قائم تھی اور اسی کے مطابق پھر سے اسلامی نظام قائم ہوسکتا ہے۔ (قرآنی دستور پاکستان ص۲۱)

اس اصول سے جو جزئیات متفرع ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) دین (یعنی اسلامی نظام) کا اصل الاصول قرآن ہے۔ قرآن کے معانی واضح، اس کی عبارت صاف اور سلجھی ہوئی اور اسکی تعلیم کھلی کھلی اور نکھری ہوئی ہے۔

(۲) قرآن نے بالعموم دین کے اصول دیئے ہیں، ان اصولوں کی جزئیات اسلامی نظام حکومت اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود متعین کریگا۔

(۳) سب سے پہلے ان جزئیات کو نبی اکرم صلعم نے متعین فرمایا۔ حضورؐ کے بعد دور خلافت علیٰ منہاج النبوت میں ان جزئیات میں جن کے متعلق ضرورت سمجھی گئی مناسب ردوبدل ہوتا رہا۔ اور جن میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ سمجھی گئی انھیں علیٰ حالہ رہنے دیا گیا۔

(۴) جو نئے امور پیش آئے ان کے لئے نئی جزئیات متعین کی گئیں۔

(۵) آج جو اسلامی مملکت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوگی اسے بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔

اب یہ دیکھیئے کہ ان امور میں طلوع اسلام منفرد ہے یا ان لوگوں کا بھی بعینہٖ یہی مسلک ہے جو اپنے آپ کو متبعین سنت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور طلوع اسلام کو منکر حدیث قرار دیتے ہیں۔

قرآن کی حیثیت

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ دین کے اصول سب کے سب قرآن کریم میں موجود ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی تفہیمات حصہ اول ص۳۳۹ پر لکھتے ہیں:-

باقی رہے اصول دین تو وہ سب کے سب کتاب اللہ میں موجود ہیں جو روایات سے بالاتر اور تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں۔

مودودی صاحب رسائل ومسائل ص۶۰ پر لکھتے ہیں:-

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جن چیزوں پر کفر واسلام کا مدار ہے اور جن امور پر انسان کی نجات موقوف ہے انھیں بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے وہ سب قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور قرآن میں بھی ان کو محض اشارۃً وکنایۃً بیان نہیں کیا گیا بلکہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کو کھول دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ انّ علینا للھدیٰ۔

دین کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ یہ بتائے کہ کون کونسی چیزیں حلال ہیں اور کون کون سی حرام اور کون کونسی جائز ہیں اور کون کون سی ناجائز۔ ایک نظامِ مملکت کے اندر اسی چیز کا نام قانون قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی قانون یہ بتاتا ہے کہ فلاں کام کرنا جائز ہے اور فلاں ناجائز۔ سوال یہ ہے کہ انسانوں کے لئے اس قسم کی پابندیاں عائد کرنے کا حق کسے حاصل ہے۔ مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن ص۵۹۸ پر لکھتے ہیں:۔

> حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لئے قانون اور شرع تجویز کرنا یہ سب خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے۔

اسی حقیقت کی تشریح کرتے ہوئے وہ تفہیمات حصہ دوم ص۳۸۹ پر لکھتے ہیں:۔

> اسی اصل کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جو ابو داؤد نے سلمان فارسیؓ سے بدیں الفاظ نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔ حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا۔ رہی وہ چیزیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا تو وہ معاف ہیں۔

طلوعِ اسلام کا کہنا یہ ہے کہ جن احکام کو قرآن کریم نے صرف اصولاً بیان کیا ہے اور ان کی جزئیات کا تعین نہیں کیا انھیں اللہ تعالیٰ نے دانستہ اسی طرح چھوڑ دیا ہے اگر منشائے خداوندی یہ ہوتا کہ ان کی جزئیات بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں تو قرآن کریم میں ان جزئیات کو بھی خود ہی متعین کر دیا جاتا۔ اس باب میں مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے ص۵۰۷-۵۰۸ پر لکھتے ہیں:۔

> ایک دوسری حدیث میں ہے ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض تم پر عائد کئے ہیں انھیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ بھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لاحق ہوئی ہے لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ"
>
> ان دونوں حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر تنبیہ کیا گیا ہے۔ جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی یا جو احکام بر سبیلِ اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے ان میں اجمال اور عدمِ تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی تفصیلات بتانی چاہئے تھیں مگر نہ بتائیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لئے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔ اب جو شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال نکال کر تفصیلات اور تعینات اور تقییدات بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے استنباط سے کسی نہ کسی طرح مجمل کو مفصل، مطلق کو مقید، غیر معین کو معین بنا کر ہی چھوڑتا ہے۔ وہ درحقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرہ میں ڈالتا ہے۔ (یہودیوں نے ایسا ہی کیا) جن کے نقشِ قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلعم کی تنبیہات کے باوجود مسلمانوں نے

کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مطالب کو خود ہی واضح طور پر بیان کر دیا ہے یا یہ اپنے مفہوم کی وضاحت کے لئے خارجی ذرائع کا محتاج ہے۔ اس باب میں مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

آپ کی تشفی کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قرآن مجید اپنے مدعا کو بغیر کسی ابہام کے صاف صاف بیان کرتا ہے اور اس نے کسی ایسی حقیقت کو جس کا جاننا آدمی کی ہدایت کیلئے ضروری تھا واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔

(ترجمان القرآن بابت اپریل ومئی ۱۹۵۲ء ص ۱۰۲)

اسی ضمن میں مودودی صاحب کے رفیق اور جماعت اسلامی کے بہت بڑے رکن امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:۔

قرآن کے اندر اسرار حکمت کا لاریب ایک خزانہ ہے لیکن اس خزانہ کی کلید خود قرآن ہی کے الفاظ و ارشادات ہیں قرآن سے باہر ان کی کلید نہیں ہے۔ قرآن کے علوم کا ایک حصہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ایک حصہ اس کے اشارات سے کھلتا ہے ایک بہت بڑا حصہ اس کے سیاق و سباق سے بے نقاب ہوتا ہے اور پھر سب سے بڑا خزانہ اس کے نظام کی معرفت سے سامنے آتا ہے جو لوگ قرآن پر تدبر کرتے ہیں وہ بقدر و استعداد اس سے فیض پاتے ہیں اور وہ اپنی ہر بات پر قرآن ہی کے الفاظ و اشارات اور سیاق و نظام سے دلیل لاتے ہیں۔　　(ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۵۳ء ص ۳۲۲)

قرآن کو سمجھنے کیلئے حدیث کی ضرورت نہیں

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم کے سمجھنے کیلئے حدیث کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؟ مودودی صاحب اس باب میں تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن اور سنتِ رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ (تنقیحات ص ۱۱۶)

وہ اسی ضمن میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

قرآن کیلئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں کہ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرزِ جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ (تنقیحات ص ۱۹۳)

تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک

(۱) دین کے تمام اصول قرآن کریم کے اندر موجود ہیں۔

(۲) انسانوں کیلئے جائز و ناجائز کے قانون دینے کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے یہ سمجھنا کہ کسی اور کو بھی ایسا اختیار حاصل ہے شرک ہے۔

(۳) جن اصولوں کی جزئیات قرآن نے خود متعین نہیں کیں ایسا سہواً نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی طرح دانستہ چھوڑا ہے۔ اب یہ کوشش کہ ان نامتعین جزئیات کو کسی نہ کسی طرح متعین بنا کر قیامت تک کیلئے غیر متبدل قرار دیدیا جائے یہودیوں کی پیروی ہے جس سے خدا اور اس کے رسول دونوں نے منع کیا ہے۔

(۴) قرآن کی تعلیم بالکل واضح اور صاف ہے۔ وہ اپنے مفہوم کے تعین کے لئے کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں نہ تفاسیر کا اور نہ احادیث کے ذخیروں کا۔

طلوع اسلام نے آجتک جو کچھ قرآن کریم کے متعلق لکھا ہے اسے سامنے رکھئے اور جو کچھ مودودی صاحب نے کہا ہے اسے ایک مرتبہ پھر پڑھ ڈالئے اور اس کے بعد یہ سوچئے کہ طلوع اسلام کے مسلک اور مودودی صاحب کے مسلک میں ذرا بھی فرق ہے؟

دین کی جزئیات

اب آگے بڑھیئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی اصولوں کی جو جزئیات رسول اللہ صلعم نے متعین فرمائیں، کیا وہ قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہیں گی یا ان میں بھی تغیر و تبدل ہو سکتا ہے؟ طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ نبی اکرم صلعم نے یہ جزئیات اپنے زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر متعین فرمائی تھیں اگر بعد کے زمانہ کے تقاضے ان میں کسی تبدیلی کے متقاضی ہوں تو قرآنی نظام حکومت جو علیٰ منہاج نبوت قائم ہو وہ اس میں ضروری تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ یہ بڑا اہم سوال ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو جسقدر ہنگامہ آرائی پیدا کی جا رہی ہے وہ بیشتر طلوع اسلام کے اسی مسلک کی بنا پر ہے۔ اب دیکھئے کہ مودودی صاحب جن کی جماعت اس ہنگامہ آرائی میں پیش پیش ہے اس باب میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ تفہیمات حصہ دوم ص۳۲۴ پر لکھتے ہیں:

> یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لیکر اپنے احکام کی بجاآوری کیلئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ جو حالات عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے، لازم نہیں کہ بعینہ وہی حالات ہر زمانہ اور ہر ملک کے ہوں، لہٰذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کو بجنسہٖ تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح اور حِکم کے لحاظ سے ان کے جزئیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روح اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔ . . . . . . پس معلوم ہوا کہ جزئیات میں دلالۃ النص اور اشارۃ النص تو درکنار صراحۃ النص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی اور تفقہ کا اقتضا یہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھ اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیر احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا رہے جو شارع کے اصول تشریع پر مبنی اور اس کے طرز عمل سے اقرب ہو۔

آپ نے غور کیا کہ مودودی صاحب کس قدر واضح الفاظ میں یہ بتلاتے ہیں کہ نبی اکرم صلعم نے دین کی جو جزئیات متعین فرمائیں وہ اس خاص زمانہ کے حالات کے مطابق تھیں۔ اب تغیر حالات سے ان میں مناسب تغیر و تبدل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ اپنے مضمون "تجدید و احیائے دین" میں ایک مجدد کے فرائض کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس کا کام اجتہاد فی الدین بھی ہوگا۔

یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقاء تمدن کی سمت کا اسلامی نکتۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعین کرنا کہ اصول شرع کے تحت تمدن کے پرانے متوارث نقشہ میں کس طرح ردوبدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کرسکے۔ (ترجمان القرآن دسمبر [illegible] وجنوری [illegible] ص ۲۸۸ و ۲۸۹)

مودودی صاحب نے اپنے مضمون "نشانِ راہ" میں اسی اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے:-

مدینہ طیبہ سے مماثلت پیدا کرنے کا مفہوم کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم ظاہر اشکال میں مماثلت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور دنیا اسوقت تمدن کے جس مرتبہ پر ہے اس سے رجعت کرکے اس تمدنی مرتبہ پر واپس جانے کے خواہشمند ہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھا اتباعِ رسولؐ کا یہ مفہوم ہی سرے سے غلط ہے اور اکثر دیندار لوگ غلطی سے اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں، ان کے نزدیک سلفِ صالح کی پیروی اس کا نام ہے کہ ـــــ تمدن وحضارت کی جو حالت ان کے عہد میں تھی اس کو ہم بالکل منجمد (Foscilised) صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں ان سب سے آنکھیں بند کرکے ہم اپنے دماغ اور اپنی زندگی کے اردگرد ایک حصار کھینچ لیں جس کی سرحد میں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔ اتباع کا یہ تصور جو دورِ انحطاط کی کئی صدیوں سے دیندار مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہا ہے درحقیقت روحِ اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم چلتے جاگتے آثارِ قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں۔ وہ ہمیں رہبانیت اور قدامت پرستی نہیں سکھاتا۔ اس کا مقصد دنیا میں ایک ایسی قوم پیدا کرنا نہیں جو تغیر وارتقاء کو روکنے کی کوشش کرتی رہے بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے۔ جو تغیر وارتقاء کو غلط راستوں سے پھیر کر صحیح راستوں پر چلانے کی کوشش کرے۔ وہ ہم کو قالب نہیں دیتا بلکہ روح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمان ومکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں، ان سب میں یہی روح بھرتے چلے جائیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا میں ہمارا اصلی مشن یہی ہے، ہم کو "خیر امۃ" جو بنایا گیا ہے تو یہ اس لئے نہیں کہ ہم ارتقاء کے راستے میں آگے بڑھنے والوں کے پیچھے عقب لشکر (Rearguard) کی حیثیت میں لگے رہیں بلکہ ہمارا کام امامت ورہنمائی ہے ہم مقدمۃ الجیش بننے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہمارے "خیر امۃ" ہونے کا راز "اخرجت للناس" میں پوشیدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا اصلی اسوہ جس کی پیروی ہمیں کرنی چاہئے یہ ہے کہ انھوں نے قوانین طبیعی کو قوانین شرعی کے تحت کرکے زمین میں خدا کی خلافت کا پورا پورا حق ادا کردیا، ان کے عہد میں جو تمدن تھا انھوں نے اس کے قالب میں روح پھونکی ـــــ پس نبی واصحاب نبی کا صحیح اتباع یہ ہے کہ تمدن کے ارتقاء اور قوانینِ طبیعی کے اکتشافات سے اب جو وسائل پیدا ہوئے ہیں ان کو ہم اسی طرح تہذیبِ اسلامی کا خادم بنانے کی کوشش کریں جس طرح صدر اول میں کی گئی تھی۔ نجاست اور گندگی جو کچھ ہے وہ ان وسائل میں نہیں ہے بلکہ اس کافرانہ تہذیب میں ہے جو ان وسائل سے فروغ پارہی ہے۔

(نشانِ راہ ص ۵۵)

آپ غور کیجئے کہ کیا اس باب میں مودودی صاحب کا مسلک اس مسلک سے ذرا بھی مختلف ہے جسے طلوع اسلام پیش کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ طلوع اسلام کو منکر حدیث اور اپنے آپ کو متبع سنت قرار دیتے ہیں۔

نو پیش آمدہ امور اب رہے وہ امور جو پہلی دفعہ ہمارے سامنے آئیں سو ان کے متعلق مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

> سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جزئیات کے متعلق صریح شرعی احکام ہم کو صرف انہی حوادث اور انہی امور کے متعلق معلوم ہو سکتے ہیں جو رسول اللہ کے عہد میں پیش آئے تھے۔ باقی رہے وہ حوادث جو حضور کے بعد پیش آئے تو ان کے متعلق شرع میں کوئی صریح حکم نہیں مل سکتا بلکہ صرف اصول و کلیات شرع ہی سے ایک حکم نکالا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین نے بعد کے حوادث پر جتنے شرعی احکام لگائے ہیں وہ اسی طرح اصول و کلیات سے اخذ کئے ہوئے ہیں نہ کہ منصوص۔ اب اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جو صحابہ یا ائمہ کے دور میں پیش نہیں آیا یا کوئی ایسی چیز ایجاد ہوتی ہے جو اس دور میں موجود ہی نہ تھی تو اس کے متعلق متقدمین کے اجتہادی احکام میں کوئی حکم تلاش کرنا بداہۃً غلط ہے۔ ایسے ہر حادثہ اور ایسی ہر چیز کے لئے ہم کو بھی اسی طرح اصول و کلیات کی طرف رجوع کرنا پڑیگا جس طرح صحابہ اور ائمہ نے اپنے عہد کے حوادث میں کیا تھا۔ (تفہیمات حصہ دوم ۳۰۵)

ان تصریحات سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ مودودی صاحب کے نزدیک

(۱) جن اصولوں کی جزئیات رسول اللہ یا صحابہؓ کے عہد میں متعین ہو گئی تھیں ان میں تغیر حال کے ساتھ ساتھ تغیر کیا جائیگا اور

(۲) جو نئے حوادث پیش آئینگے ان کے متعلق دین کے اصولوں کی روشنی میں نئے احکام مستنبط کئے جائیں گے۔

رسول اللہ کی مختلف حیثیتیں مندرجہ صدر اصول سے درحقیقت ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کیا رسول اللہ کا ہر ارشاد رسول کی حیثیت ہی سے تھا یا رسالت سے الگ رسول کی کوئی دوسری حیثیت بھی تھی۔ طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کی ایک حیثیت رسالت کی تھی۔ اس حیثیت میں وہ خدا کے احکام بندوں تک پہنچاتے تھے۔ اس میں نہ وہ کسی سے مشورہ لے سکتے تھے اور نہ ہی اس میں اپنے ذاتی خیال، قیاس، رائے یا اجتہاد کا کوئی دخل ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلعم کی رسالت قیامت تک کے لئے زندہ اور پائندہ ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی۔ انھوں نے قرآن کے متعین کردہ نظام کو عملاً متشکل فرمایا۔ اس نظام میں آپ کی حیثیت امیر ملت کی تھی۔ اس حیثیت میں آپ مختلف امور میں اپنی ذاتی بصیرت کے مطابق اجتہاد سے کام لیتے تھے اور صحابہؓ سے مشورے بھی فرماتے تھے اور اس طرح دین کے اصولوں کی جزئیات متعین ہوتی تھیں۔ ان جزئیات میں خود خلافت راشدہ کے زمانہ میں عندالضرورت تغیر و تبدل ہوتا رہا اور اس کے بعد قرآنی نظام مملکت کو اس کی اجازت ہے کہ وہ تغیر حالات کے ساتھ ان جزئیات میں تغیر کرتے رہیں۔

اب دیکھئے کہ رسول اللہ صلعم کی ان دو حیثیتوں کے متعلق مودودی صاحب کا کیا عقیدہ ہے۔ وہ تفہیمات جلد اول میں لکھتے ہیں :-

اب اس امر کی تحقیق کیجئے کہ نبیؐ کی اطاعت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے اور جس پر دین کا مدار ہے کس حیثیت سے ہے۔ یہ اطاعت اس حیثیت سے ہرگز نہیں کہ نبیؐ وہ خاص شخص مثلاً ابن عمران یا ابن مریم یا ابن عبداللہ ہے اور یہ شخص خاص ہونے کی بنا پر اس کو حکم دینے اور منع کرنے کا، حلال کرنے اور حرام ٹھہرانے کا ذاتی حق حاصل ہے۔ . . . . . . اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے بار بار اس حقیقت کا اظہار کراتا ہے کہ وہ اطاعت جو مومن پر فرض کی گئی ہے جو اصل ایمان ہے اور جس سے کسی مومن کو سرتابی کیا معنی یکسر انحراف کا بھی حق نہیں۔ وہ دراصل نبی بحیثیت انسان کی اطاعت نہیں ہے بلکہ نبی بحیثیت نبیؐ کی اطاعت ہے۔ اس علم، اس ہدایت، اس حکم اور اس قانون کی اطاعت ہے جسے اللہ کا نبیؐ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ (ص ۸۹-۹۲)

اسی طرح وہ "رسائل و مسائل" میں لکھتے ہیں :-

دراصل سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ . . . . . تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جن کو زندگی میں جاری کرنے کیلئے نبی صلعم تشریف لائے تھے اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جن کو نبی صلعم نے ان اصولوں کی پیروی کیلئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عملی صورتیں کچھ تو حضورؐ کے شخصی مزاج اور طبیعت کی پسند پر مبنی تھیں، کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے اور کچھ اس زمانہ کے حالات پر جس میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اشخاص اور تمام اقوام اور تمام لوگوں کیلئے سنت بنا دینا مقصود نہ تھا۔ (ص ۳۱۱-۳۱۷)

آپ نے دیکھا کہ یہاں کیسے واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ایک تو وہ اصول تھے جنھیں جاری کرنے کیلئے رسول اللہ تشریف لائے اور دوسری وہ عملی شکل تھی جن کی رو سے رسول اللہ نے ان اصولوں کو جاری فرمایا۔ وہ اصول تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہیں لیکن ان کی عملی صورتیں جو اس زمانہ کے حالات اور طرز معاشرت کو پیش نظر رکھ کر اختیار کی گئی تھیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے واجب الاتباع اور غیر متبدل نہیں ہیں۔ یہی نہیں کہ یہ چیزیں واجب الاتباع نہیں بلکہ مودودی صاحب تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ

اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے۔ جس سے بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔ (رسائل و مسائل ص ۳۰۸)

طلوع اسلام کا کہنا یہ ہے کہ دین کے جو اصول قرآن میں دیئے گئے ہیں ان کی عملی جزئیات متعین کرنے کیلئے رسول اللہ صلعم صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے لہٰذا یہ جزئیات بربنائے وحی نہ تھیں۔ جو بات مشورہ سے طے ہو وہ مشورہ سے بدلی بھی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ کی یہ حیثیت امیر ملت کی حیثیت تھی اسلئے قرآنی نظام مملکت میں امیر ملت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ باہمی مشاورت سے تقاضائے حالات کے

مطابق ان جزئیات میں تغیر و تبدل کرلے۔ اس نقطہ کے متعلق کہ رسول اللہ صلعم کو بحیثیت امیر مملکت مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

> قرآن کہتا ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی سے انجام پانے چاہئیں اور نبی صلعم کو بحیثیت صدر ریاست کے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔ پھر مشورے کے بعد جب تم عزم کرلو تو اللہ کے بھروسہ پر عمل کرو۔ (ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۰۰)

اللہ و رسول کی اطاعت سے قرآن کی مراد

طلوع اسلام کا کہنا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں "اللہ اور رسول کی اطاعت" کا حکم دیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اطاعت اس نظام کی ہے جو قرآنی قوانین کو نافذ کرے اور "اللہ اور رسول کی نافرمانی" اس نظام کی نافرمانی ہے۔ اب دیکھئے کہ مودودی صاحب اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا . . . . مودودی صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں" یہاں اللہ اور رسول سے کیا مراد ہے اس کی بابت وہ لکھتے ہیں :-

> خدا اور رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ (تفہیم القرآن صفحہ ۴۶۵)

آپ نے دیکھا کہ "اللہ اور رسول" سے مراد مودودی صاحب کے نزدیک بھی اسلامی نظام حکومت ہے۔

احادیث

احادیث کے متعلق طلوع اسلام کا کہنا ہے کہ خدا کی طرف سے جس قدر وحی نازل ہوئی وہ سب قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے جو کچھ فرمایا وہ حضور کے اپنے ارشادات تھے، کلام اللہ نہیں تھا۔ اس بارہ میں مودودی صاحب فرماتے ہیں :-

> قرآن کے کلام اور محمد صلعم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اسقدر مختلف اسٹائل کبھی ہو نہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اسی زمانہ میں واضح نہیں تھا جبکہ نبی صلعم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں، ان کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اسقدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔
>
> (ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۸۵)

رسائل و مسائل میں دجال سے متعلق احادیث پر بحث کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ

> ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپؐ کے قیاسات ہیں جن کے بارہ میں آپ خود شک

ہیں تھے۔۔۔۔۔ یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں بلکہ اپنے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں اور آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف آتا ہو یا جس پر ایمان لانے کیلئے ہم مکلف کئے گئے ہوں۔ (ص ۵۵-۵۶)

یہ تو رہی مودودی صاحب کے نزدیک حدیث کی حقیقت۔ اب سوال یہ ہے کہ جو حدیثیں ہم تک پہنچی ہیں کیا ان سے دین کے متعلق کوئی یقینی علم بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ اس کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس خطرہ میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ ان سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہے انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جاوے۔ ایسے امور کی نوعیت ہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صاف صاف اپنی کتاب میں بیان فرمائے۔ اللہ کا رسولؐ انہیں اپنے پیغمبرانہ مشن کا اصل کام سمجھتے ہوئے ان کی تبلیغ عام کرے۔ اور وہ بالکل غیر مشتبہ طریقہ سے ہر ہر مسلمان تک پہنچا دیئے گئے ہوں۔ (رسائل و مسائل ص ۶۷)

یہ بعینہ وہی چیز ہے جسے طلوع اسلام پیش کرتا چلا آرہا ہے۔ دوسرے مقام پر مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

قول رسولؐ اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں، لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں اور نہ ان روایات کو استناد کے لحاظ سے آیاتِ قرآنی کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیات قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں۔ برخلاف اس کے روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول یا فعل کو نبی صلعم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ واقعی حضورؐ کا ہے یا نہیں۔ (رسائل و مسائل ص ۲۷)

طلوع اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ ہم احادیث کے موجودہ مجموعوں کے متعلق یقین کے ساتھ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ جن چیزوں کو رسول اللہؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ در اصل رسول اللہؐ کی ہیں بھی یا نہیں۔ اس لئے یہ چیزیں دین کا مدار قرار نہیں پا سکتیں کیونکہ دین کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ اسے لاریب فیہ ہونا چاہیئے یعنی ایسا کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

اسی طرح مودودی صاحب ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۹)

اس چیز کا فیصلہ کہ کونسی حدیث رسول اللہؐ کی ہو سکتی ہے اور کونسی نہیں، مودودی صاحب کے نزدیک اس شخص کی ذاتی بصیرت ہے جو "مزاج شناس رسالتمآب" ہو۔ لیکن اس کے متعلق وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ یہ چیز کسی دوسرے شخص کیلئے سند نہیں قرار پا سکتی چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

اس باب میں اختلاف کی بھی کافی گنجائش ہے کیونکہ ایک شخص کا ذوق اور اس کی بصیرت لازماً دوسرے شخص کے ذوق اور بصیرت سے بالکل مطابق نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ماخذ دونوں کا ایک ہی ہو۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ صرف وہی چیز شرعی ہے جسکو میری بصیرت شرعی کہہ رہی ہے اور دوسرے شخص کی بصیرت جسکو شرعی کہتی ہے، وہ قطعاً و یقیناً غلط ہے (تفہیمات حصہ دوم ص ۳۳۱)

اسی بنا پر طلوع اسلام کا کہنا یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کہ کونسی چیز شرعی ہے اور کونسی شرعی نہیں صرف مسلمانوں کا اسلامی نظام کر سکتا ہے۔ مودودی صاحب اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کے متعلق فرماتے ہیں کہ

یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں اُن کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیئے۔
(ترجمان القرآن اکتوبر و نومبر ۵۲ء ص ۱۱۷)

آپ مندرجہ صدر اقتباسات کو غور سے دیکھئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ حدیث کے متعلق جو مسلک طلوع اسلام پیش کرتا ہے اس میں اور مودودی صاحب کے پیش کردہ مسلک میں کوئی بھی فرق ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی مودودی صاحب ہیں کہ وہ طلوع اسلام کو منکرِ حدیث قرار دیکر اسے (معاذ اللہ) خدا اور رسول کا بدترین دشمن قرار دیتے ہیں اور خود سب سے بڑے متبع سنت بن کر خدا اور رسولؐ کے اطاعت گذار بنتے ہیں۔ دنیا میں اس قسم کی دیدہ دلیریاں کم ہی دیکھنے میں آئی ہوں گی۔

امیر جماعت اسلامی کی تضاد بیانیاں

ممکن ہے یہاں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جب اس باب میں طلوعِ اسلام اور مودودی صاحب کا مسلک ایک ہی ہے تو پھر ان دونوں میں فرق کہاں پیدا ہوتا ہے؟ فرق پیدا ہوتا ہے اس باب میں کہ طلوع اسلام جو کچھ ایک جگہ کہتا ہے وہی کچھ دوسری جگہ کہتا ہے۔ آج جو کہتا ہے وہی کل کہتا ہے لیکن مودودی صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ ہر مقام پر موقعہ اور مصلحت کے لحاظ سے الگ الگ بات کہتے ہیں۔ آج کچھ، کل کچھ، یہاں کچھ، وہاں کچھ، ممکن ہے کہ آپ کو اس پر تعجب ہو اور مودودی صاحب کے متبعین کو اس پر غصہ بھی آئے لیکن طلوع اسلام جو کچھ کہتا ہے دلیل اور سند کے ساتھ کہتا ہے یونہی کسی کے خلاف الزام عائد نہیں کر دیتا۔ جو کچھ اس نے کہا ہے اس کا ثبوت لیجئے اور دیکھئے کہ مودودی صاحب کسقدر متضاد باتیں کہتے چلے جاتے ہیں۔

رسول اللہ کی دو حیثیتیں

حدیث کے معاملہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلعم کی ایک ہی حیثیت (رسالت کی) تھی یا دو الگ الگ حیثیتیں تھیں۔ علامہ اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب تعلیمات قرآن میں تحریر فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی دو الگ الگ حیثیتیں تھیں ایک حیثیت رسالت جس میں آپ خدا کی وحی انسانوں تک پہنچاتے تھے اور دوسری حیثیت بشری جس میں آپ اپنی ذاتی حیثیت سے معاملات سرانجام دیتے تھے۔ مودودی صاحب نے اس کتاب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

> یہ تفریق جو انھوں نے محمد ابن عبد اللہ بحیثیت انسان اور محمد رسول اللہ بحیثیت مبلغ کے درمیان کی ہے، قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں ہے قرآن میں آنحضرت صلعم کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول و نبی ہونے کی حیثیت ہے، جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت سے سرفراز کیا۔ . . . اسوقت سے لیکر حیاتِ جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا . . . . حتیٰ کہ آپ کی نجی اور خاندانی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۲۳۱)

اس کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مودودی صاحب پر لوگوں نے اعتراض کر دیا کہ ان کی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے۔ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ

سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلعم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے۔ . . . . سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے۔ . . . . . . جو امور آپ نے عادۃً کئے ہیں انھیں سنت بنا لینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں اللہ اور اس کے رسول کا ہرگز یہ منشا نہ تھا۔ یہ دین میں تحریف ہے۔ (رسائل و مسائل ص۳۰۰—۳۰۱)

آپ نے غور فرمایا کہ جب علامہ اسلم صاحب نے یہ لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی ایک حیثیت رسالت کی تھی اور ایک بشریت کی تو مودودی صاحب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے رسول اللہ کی ایک ہی حیثیت تھی۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا، حتیٰ کہ آپ کی نجی زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آ گئے تھے۔ لیکن جب خود مودودی صاحب پر اعتراض ہوا کہ ان کی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں تو انھوں نے فرما دیا کہ رسول اللہ کا یہ حکم یا عمل انسان کی حیثیت سے تھا، رسول کی حیثیت سے نہیں تھا اسلئے یہ سنت میں داخل ہی نہیں۔ یہیں تک ہی نہیں انھوں نے علامہ جیراجپوری کے جواب میں کہا تھا کہ

"قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں کہ رسول کی دو حیثیتیں تھیں" لیکن

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ ذاتی حیثیت میں تو وہ نبی ویسا ہی ایک بشر ہے جیسے تم بشر ہو، البتہ نبی ہونے کی حیثیت سے اس میں اور تم میں عظیم الشان فرق ہے۔ (تفہیمات حصہ اول ص۸۹)

یعنی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ کی دو حیثیتیں تھیں اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے کہ رسول کی دو حیثیتیں ہیں یعنی جب ضرورت پڑی تو کہدیا کہ قرآن سے یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں اور جب دوسرے وقت پر موقعہ آیا تو کہدیا کہ قرآن نے نہایت واضح الفاظ میں کہدیا ہے کہ رسول کی دو حیثیتیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ یا تو یہ چیز قرآن سے پہلے درجے کی جہالت ہے اور یا بدترین قسم کا مذاق۔ بہرحال صورت کچھ بھی ہو موقعہ اور محل کے لئے دونوں قسم کی باتیں قرآن کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ اس قسم کا کھلا ہوا تضاد تو شاید مرزا غلام احمد کے ہاں بھی نہ ملے۔

اور آگے بڑھئے:۔

تمام وحی قرآن میں محفوظ ہے

علامہ اسلم جیراجپوری نے لکھا تھا کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی تھی وہ سب قرآن میں محفوظ ہے قرآن سے باہر وحی نہیں ہے۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ

یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ کتاب کے سوا اور کوئی وحی نبی پر نازل نہیں ہوتی . . . . . ہر وہ بات جس پر نطق رسول کا اطلاق کیا جا سکتا ہو وحی ہے . . . . . رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ (تفہیمات حصہ اول ص۲۴۲—۲۴۳)

اس سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک وحی کا کچھ قرآن میں داخل ہے اور کچھ احادیث میں۔ یہ دوسرا حصہ بھی قرآن کی طرح

(مثلہ معہ) خدا کی طرف سے ہوتا تھا خود رسول کا اپنا کلام نہیں ہوتا تھا۔ لیکن یہی مودودی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

قرآن کے کلام اور محمد صلعم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اسقدر مختلف اسٹائل کبھی ہو نہیں سکتے ...... آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں جن کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اسقدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔ (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۸۵)

یعنی ایک جگہ کہا گیا کہ احادیث بھی اسی طرح سے خدا کی طرف سے وحی ہیں جس طرح قرآن کریم خدا کی طرف سے وحی ہے لیکن دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے اسلوب اور انداز سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ احادیث اس خدا کا کلام نہیں جس کا کلام قرآن ہے۔ غور فرمایا آپ نے کہ یہ کسقدر کھلا ہوا تضاد ہے۔

بات صرف اسلوب و انداز تک ہی محدود نہیں اس سے آگے بھی ابھی ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے فرمایا تھا کہ

ہر وہ بات جس پر نطق رسول کا اطلاق کیا جا سکتا ہو وحی ہو گی .... اور آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول اللہ کی حیثیت سے تھا۔

لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

ان امور کے متعلق جو باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارہ میں آپ خود شک میں تھے ...... یہ باتیں آپ نے علم وحی کے مطابق نہیں فرمائی تھیں بلکہ اپنے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں۔ (رسائل و مسائل صفحہ ۵۶-۵۵)

یعنی ایک جگہ یہ کہا گیا کہ رسول کا ہر قول وحی سے تھا اور منجانب اللہ تھا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث رسول اللہ کے قیاسات تھے جن میں آپ کو خود بھی شک تھا۔

ذرا سوچئے کہ اس قسم کی کھلی ہوئی متضاد باتیں کس قسم کا انسان کر سکتا ہے۔

رسول اللہ کو بحیثیت امیر کے امت سے مشورہ کا حکم

اور آگے بڑھئے۔ علامہ اسلم جیراجپوری نے لکھا کہ رسول اللہ کو بحیثیت امیر خدا کی طرف سے حکم تھا کہ آپ امت سے مشورہ کیا کریں۔ اس پر مودودی صاحب نے فرمایا کہ

اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ آپ کی حیثیت دوسرے امراء کی سی ہے۔ دوسرے امراء کیلئے تو یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ وہ مشورہ سے کام کریں وامرھم شوریٰ بینھم لیکن رسول اللہ کو جہاں مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے وہیں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ جب آپ کسی بات کا عزم فرمالیں تو خدا پر بھروسہ کر کے عمل کا اقدام کریں (فاذا عزمت فتوکل علی اللہ) آپ کی امارت آپ کی رسالت سے الگ نہ تھی بلکہ آپ رسول خدا ہونے کی حیثیت ہی سے امیر تھے۔ (تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۴۴)

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک رسول اللہ کی امارت کی حیثیت رسالت کی حیثیت سے الگ نہیں تھی۔ آپ کو مشاورت کا جو حکم دیا گیا تھا وہ بحیثیت امیر ریاست نہیں تھا بلکہ بحیثیت رسول ہی تھا قرآن کی آیت وامرھم شوریٰ بینھم عام امراء کے لئے تھی اور فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کا حکم رسول اللہ کے لئے خاص تھا۔ لیکن دوسری جگہ مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

اس باب میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے انجام پانے چاہئیں وامرھم شوریٰ بینھم اور نبی اکرم صلعم کو بحیثیت صدر ریاست کے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو. پھر مشورہ کے بعد جب تم عزم کر لو تو اللہ کے بھروسہ پر عمل کرو. یہ دونوں آیتیں مشورہ کو لازم کرتی ہیں اور صدر ریاست کو ہدایت کرتی ہیں کہ جب وہ مشورہ کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جائے تو اللہ کے بھروسہ پر اسے نافذ کرے۔ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۰)

آپ نے غور کیا کہ ایک جگہ یہ فرمایا گیا کہ مشورہ کی ایک آیت (وامرھم شوریٰ بینھم) تو عام امراء کے لئے تھی اور دوسری آیت (فاذا عزمت فتوکل علی اللہ) رسول اللہ کے لئے. لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے کہ یہ دونوں آیتیں مشورہ کو لازم کرتی ہیں اور صدر ریاست کو ہدایت کرتی ہیں کہ جب وہ مشورہ کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچ جائے تو اللہ کے بھروسہ پر اسے نافذ کرے. یعنی جب علامہ اسلم پر اعتراض کیا تو کہدیا کہ رسول اللہ کے لئے یہ خاص حکم تھا کہ جب آپ کسی فیصلہ پر پہنچ جائیں تو اسے اللہ کے بھروسہ پر نافذ کر دیں لیکن جب کراچی کے وکلاء کی محفل میں تقریر کی تو اس وقت یہ فرمایا کہ یہ آیت ہر صدر ریاست کے لئے ہے. اس قسم کا تلاعب بالدین بھی کم ہی دیکھنے میں آیا ہوگا.

حرام اور حلال

دین میں حرام اور حلال کا سوال بڑا بنیادی ہے. اسی سے یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جنھیں قرآن نے حرام قرار دیدیا ہے یا وہ چیزیں بھی جنھیں روایات میں حرام قرار دیا گیا ہے. سید محمد صبیح صاحب نے حلال و حرام کی تحقیق پر ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے بتایا کہ قرآن نے صرف چار[1] چیزوں کو حرام قرار دیا ہے. اس پر تبصرہ کرتے ہوئے (ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۵۸) میں بڑے طنزیہ انداز میں لکھا گیا ہے کہ

اس میں تحقیق یہ پیش کی گئی ہے کہ قرآن میں صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونیوالے جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے لہذا بندر، کتے، گدھے، مینڈک، چوہے وغیرہ سب حلال ہیں. . . . . . کتاب کے مباحث، طرز استدلال اور انداز بیان سب منکرین حدیث حضرات کے پیٹنٹ ہیں.

یعنی یہ مسلک منکرین حدیث کا ہے کہ حلال اور حرام صرف کتاب اللہ میں ہے. ورنہ متبعین حدیث کا مسلک یہ ہے کہ جن چیزوں کو احادیث میں حرام بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی طرح حرام ہیں۔

ترجمان القرآن میں تو یہ لکھا ہے لیکن مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ

---

[1] طلوع اسلام میں اس کتاب پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے جس میں صبیح صاحب کے اس خیال سے اختلاف کیا گیا ہے کہ جس چیز کو قرآن نے حلال قرار دیا ہے اس کا کھانا بہرحال فرض ہے. حلال کے ساتھ طیب کے قرآنی اضافے نے یہ بتا دیا کہ وہ حلال چیزیں کھائی جائیں گی جو خوشگوار بھی ہوں اور جن سے طبیعت کو کراہت نہ آتی ہو۔

> فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں (یعنی مردار، بہتا ہوا خون، سور کا گوشت یا جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے) اور ان کے سوا ہر چیز کا کھانا جائز ہے۔ یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا تھا۔ . . . . . . ان تمام مختلف اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ
>
> دراصل شریعت الٰہی میں قطعی حرمت ان چار ہی چیزوں کی ہے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ (ص ۵۹۲-۵۹۳)

یعنی ایک جگہ یہ لکھا جاتا ہے کہ شریعت میں یہی چار چیزیں قطعی طور پر حرام ہیں۔ فقہائے اسلام کے ایک گروہ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی تھا۔ لیکن جب یہی بات محمد صبیح صاحب لکھتے ہیں تو ان کا یہ کہہ کر مذاق اُڑایا جاتا ہے کہ یہ منکرینِ حدیث کی باتیں ہیں۔ یعنی وہی بات جب مودودی صاحب کہیں تو وہ اطاعت خدا بھی ہو اور اتباع سنت بھی۔ مشرب فقہا بھی ہو اور مسلک صحابہ بھی۔ لیکن جب وہی بات کوئی فریق مخالف کہے تو منکر حدیث قرار پائے۔

میں جو چپ بیٹھوں سڑی کہلاؤں
شیخ چپ بیٹھے تو کُل ٹھہرے

(حرام اور حلال کے متعلق مودودی صاحب کی اس تفسیر میں بھی ایسی متضاد باتیں لکھی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر انسان حیرت میں رہ جاتا ہے لیکن ان کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں)

اسلاف پر تنقید

طلوع اسلام کے خلاف سب سے بڑا جرم یہ عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان معتقدات و رسومات پر تنقید کرتا ہے جو ہمارے اسلاف سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ لیکن ان ہی اسلاف کے متعلق مودودی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔ مثلاً

> بلاشبہ یہ قول حسن بصری اور قتادہ اور اعمش وغیرہم سے منقول ہے مگر یہ لوگ خدا کی طرف سے کب مبعوث ہوئے تھے کہ ان کے اقوال کو ترک کر دینے سے انسان کافر ہو جائے . . . . . . یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہو
>
> . . . . . . مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو، زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔ (تنقیحات ص ۱۳۳-۱۲۰-۱۳۱)

غور کیجئے کہ یہ لفظاً لفظاً وہی بات نہیں جو طلوع اسلام کہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود طلوع اسلام اسلاف کا منکر اور یہ حضرات اسلاف کے نام لیوا ہیں۔

کیا تمام امت منافق تھی؟

طلوع اسلام نے اتنی سی بات کہدی کہ قرآن کریم نے قربانی کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اس کا مقام کعبہ ہے اور یہ جو ہم ہر شہر اور ہر قریہ میں قربانیاں دیتے ہیں یا حج کے موقعہ پر جانور کاٹ کاٹ کر

یوں ہی پھینک دیتے ہیں اس کی سند قرآن سے نہیں ملتی۔ اس کے خلاف مودودی صاحب غیظ و غضب کی ایک پوری دنیا اپنے جلو میں لئے ہوئے اٹھے اور گرجتے ہوئے فرمایا کہ

> آخر یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر ہی تو مشتمل نہیں رہی ہے کہ حدیثوں پر حدیثیں قربانی کی مشروعیت پر گھڑی جائیں اور ایک نیا طریقہ ایجاد کرکے رسول خدا کی طرف منسوب کر دیا جائے اور پوری امت آنکھیں بند کرکے اسے قبول کر بیٹھے۔
>
> (تفہیمات حصہ دوم ص۲۱۱)

لیکن انہی مودودی صاحب نے جب اپنی مجددیت کا مہرہ آگے بڑھایا ہے تو اس کی تمہید یوں شروع کی کہ حضرت عثمانؓ کے عہد ہی میں "جاہلیت" کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

> جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستے سے ہٹا کر ان کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے مسلمانوں میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہل قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کریں۔ پرانے معبدوں کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں اور پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۴۰ء و جنوری ۱۹۴۱ء ص ۲۸۴-۲۸۵)

کوئی ان صاحب سے پوچھے کہ کیا یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر مشتمل تھی کہ اس قسم کے مشرکانہ تصورات، معتقدات، اور رسومات اسلام میں داخل ہوتے گئے اور پوری امت آنکھیں بند کرکے اسے قبول کرتی رہی۔ اگر مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق امت نے اس قسم کی مشرکانہ عبادات و اعمال کو قبول کر لیا تھا تو کیا اس کا امکان نہ تھا کہ یہ امت قربانی کی رسم کو بھی اپنے ہاں رائج کر لیتی۔

لیکن طلوع اسلام اگر قربانی کی رسم کے متعلق اتنا سا کہدے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ دیکھو یہ امت کو منافق قرار دے رہا ہے لیکن اگر مودودی صاحب پوری امت کے متعلق یہ ارشاد فرمائیں کہ وہ مشرکانہ تصورات و عبادات کو ایک ایک کرکے قبول کرتی گئی تو وہ بدستور مجدد کے مجدد رہیں۔

جب میں چلوں تو سایہ بھی میرا نہ ساتھ دے جب تم چلو زمین چلے آسماں چلے

غرضیکہ کہاں تک لکھتے جائیے۔ ہم اگر چاہیں تو مودودی صاحب کے اسی قسم کے تضادات کی ایک تصنیف پیش کر سکتے ہیں لیکن اس کی سردست ضرورت نہیں۔ آپ نے اتنے اقتباسات سے ہی یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ صاحب کس طرح دین کے سے اہم معاملہ میں بھی مختلف مواقع پر متضاد باتیں کہتے چلے جاتے ہیں۔ اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا کہ دین سے ایسا مذاق کیوں ہو رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک تو عوام کا حافظہ ہی کمزور ہوتا ہے۔ دوسرے جب انسان اپنے گرد عقیدت مندوں کا حلقہ قائم کرلے تو پھر کوئی شخص تنقید کی جرأت کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کہتے چلے جائیے۔ ہر طرف سے سبحان اللہ اور مرحبا کی آوازیں وجہ فریب نفس بنتی چلی جائیں گی۔ لیکن

آپ سوچئے کہ اپنے تھوڑے سے فائدہ کے لئے کتنا بڑا نقصان ہے جو سادہ لوح مسلمانوں کو پہنچایا جاتا ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ یہ مقالہ اس وقت شائع ہو رہا ہے جبکہ مودودی صاحب گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے یہ کہا جائے کہ جب وہ اس پوزیشن ہی میں نہیں کہ اس کا جواب دے سکیں تو وہ اپنی مدافعت کس طرح کر سکتے ہیں۔ لیکن قارئین کو یاد ہوگا کہ مودودی صاحب اوران کے رفقا میں آج تک اس کی جرأت و ہمت نہیں ہوئی کہ وہ طلوع اسلام کے کسی اعتراض کا بھی جواب دے سکیں اگرچہ وہ اپنی اس کمزوری اور عجز کو ہمیشہ اس پندار کے نقاب میں چھپاتے رہے ہیں کہ ہم ایسے "ذلیل لوگوں" کے منہ نہیں لگنا چاہتے۔ اس لئے اگر وہ باہر بھی ہوتے تو وہ ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے۔ ہم نے اس مقالہ کو اسلئے شائع کیا ہے کہ جو سادہ لوح مسلمان نہایت دیانتداری سے یہ سمجھ کر ان حضرات کے ساتھ شامل ہیں کہ یہ بہت بڑے متبع سنت اور اسلاف کے عقیدتمند ہیں اُن پر ان کی اصلی حقیقت آشکارا ہو جائے اور وہ کسی دھوکہ میں نہ رہیں۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جواب میں جماعت اسلامی کی طرف سے یہ کہا جائے گا (جیسا کہ یہ اکثر کہا کرتے ہیں) کہ مودودی صاحب کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور اقتباسات بھی صحیح نہیں دیئے جاتے۔ ہم آپ سے صرف اتنا کہیں گے کہ جو شخص یہ بات سے اس سے کہئے کہ ہم نے جو حوالے اوپر دیئے ہیں وہ کتابیں لے آئے اور اس کے بعد آپ کو بتائے کہ کہاں الفاظ کو توڑا مروڑا گیا ہے اور کہاں اقتباسات کو غلط پیش کیا گیا ہے۔ آپ اس کا شدت سے مطالبہ کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔

دیکھئے - اپنا خریداری نمبر تلاش کیجئے

مئی ۱۹۵۳ء کی اِس اشاعت کے ساتھ آپ حضرات کا چندہ (جن کے نمبر خریداری درج ذیل ہیں) ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا آئندہ ماہ جون ۱۹۵۳ء کا پرچہ آپ کی خدمت میں وی پی بھیجا جائے گا۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ۲۰ رمئی ۱۹۵۳ء سے پہلے پہلے آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں کہ اس میں ادارہ کو سہولت اور آپ کو کفایت ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے خدانخواستہ آپ رسالہ کی خریداری آئندہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ۲۰ رمئی سے پہلے پہلے ادارہ کو اپنے اس فیصلے سے مطلع فرما دیں ورنہ ادارہ کی طرف سے مرسلہ وی پی کو وصول فرمانا آپ کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ فہرست خریداران جن کا چندہ ختم ہو گیا ہے۔

۱۵ — ۲۱ — ۲۳ — ۵۴ — ۸۰ — ۳۰۶ — ۳۳۰ — ۳۶۴ — ۳۷۰ — ۴۹۸ — ۵۰۰ — ۵۰۷ — ۵۱۷ — ۵۱۸ — ۵۶۷۔

۸۹۲ — ۸۹۹ — ۹۰۰ — ۹۰۱ — ۹۰۳ — ۹۰۴ — ۹۲۷ — ۹۲۸ — ۹۲۹ — ۹۳۰ — ۹۳۲ — ۹۳۳

۹۳۴ — ۹۳۵ — ۹۴۰ — ۹۴۱ — ۹۴۲ — ۹۴۳ — ۹۴۵ — ۹۵۴ — ۹۵۷ — ۹۶۲ — ۹۶۳ — ۹۷۵

۱۱۰۶ — ۱۱۰۷ —

شب بارات کی دینی حیثیت کیا ہے؟

یہ کیوں منائی جاتی ہے

یہ اور اسی قسم کے بیسیوں اور سوالات ہیں جن کے جواب آپ کو اس کتاب میں ملیں گے جو ادارۂ طلوع اسلام کی طرف سے عنقریب شائع ہو رہی ہے۔ کتاب کا موضوع ہے،

ہماری بصیرت کے مطابق

قرآنی فیصلے

کاغذ پر عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے کتاب ابھی تک چھپ نہیں سکی لیکن اب امید ہے کہ عنقریب چھپ جائیگی۔ جن احباب نے اپنی فرمائشیں بھیجدی ہیں، انھیں ترتیب وار کتاب بھیجدی جائیگی۔

اگر آپ

نے ابھی تک اپنی فرمائش نہیں بھیجی تو جلدی کیجئے کیونکہ کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے کتاب زیادہ تعداد میں نہیں چھاپی جائیگی۔

اس کتاب کا ہر ایک گھر میں رہنا ضروری ہے

اس لئے کہ اس میں روزمرہ کی زندگی سے متعلق سینکڑوں ایسے امور آگئے ہیں جن کے متعلق ہمارا مروجہ مذہب کچھ اور کہتا ہے اور قرآن کے مطابق جن کی حقیقت کچھ اور ہے۔

کتاب چار سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے — اپنی فرمائش جلدی بھیجئے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی